بوسنہ کے مسلمان۔۔۔ آزمائش کی گھڑی

عجیب ستم ظریفی ہے کہ جہاں کہیں بھی کوئی جنگی یا خانہ جنگ شروع ہے۔ اس میں مسلمانوں کا خون بے دریغ بہایا جاتا ہے۔ اور دنیا میں ارزاں ترین چیز مسلمان کا خون ہے۔ فلسطین کا مسئلہ ہو یا افغانستان کی جنگ مسئلہ کشمیر ہو یا فلپائن برما کے مسلمانوں کا قتل عام ہو یا اب بوسنہ کے مجاہدین کا ہر طرف مسلمانوں کو ہی تختہ مشق بنایا جارہا ہے۔ عیسائی خواہ کہیں بھی بستے ہوں ان کے رگ و ریشے میں صلیبی جنگوں کا تصور ختم نہیں ہوا۔ اور موقعہ ملتے ہی مسلمانوں سے انتقام لینا شروع کر دیتے ہیں۔ اور کوشش کی جاتی ہے کہ مسلمانوں کی نسل کشی کی جائے اور ان کی آبادی کو نہ صرف ختم کیا جائے بلکہ جہاں اکثریت میں ہیں انہی اقلیت میں بدل دیا جائے۔

یوگوسلاویہ میں شکست و ریخت کے بعد وہاں کی چھ جمہوریاؤں نے آزادی کا اعلان کیا۔ مغربی طرز جمہوریت کے اصول کے مطابق تو جیسے دوسری جمہوریاؤں کو ان کی اکثریت کی بناء پر حکومت بنانے کا حق دیا گیا۔ اسی طرح بوسنہ کو بھی مسلم اکثریت کی بناء پر حکومت کا حق ملنا چاہیئے تھا۔ لیکن مسلمانوں کے ساتھ ان کے تعصب حقد اور روایتی حسد نے ان کا حق چھین لیا اور نہ صرف ان پر بھرپور حملہ کیا بلکہ مسلمانوں کا بڑی بے دردی سے قتل عام بھی کیا گیا۔ اس وقت بوسنہ میں ۶۰ لاکھ کے قریب مسلمان آباد ہیں۔ جن سے خائف ہو کر عیسائی ان کو ختم کرنے کے درپے ہوگئے ہیں۔ لیکن وہ یہ بھول رہے ہیں کہ شاید ایسا کرنے سے

مسلمان یا تو دب جائیں گے اور مجبور ہو کر یہ علاقہ چھوڑ دیں گے۔ حالانکہ ان عیسائیوں کو معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ ان کے ساتھ پہلی دفعہ نہیں ہو رہا بلکہ اس سے قبل بھی جب کہ ان پر روس کا تسلط تھا۔ بوسنہ کے مسلمانوں کو نہ صرف تنگ کیا جاتا رہا۔ بلکہ ان کا قتل عام ہوتا رہا۔ لیکن ان واقعات و حادثات نے ان کے ایمان کو مزید مضبوط کیا اور وہ پہلے سے زیادہ شدت کے ساتھ اسلام سے وابستہ ہوئے اور مسلمانوں کی آبادی اور تعداد میں دن بدن اضافہ ہوا۔ آج بھی بوسنہ کے مسلمانوں کا یہی جذبہ ہے۔ وہ ان جنگوں سے نہیں گھبرائیں گے اور نہ ہی یہ قتل عام انہیں اسلام کے راستے سے ہٹا سکتا ہے۔ وہ پہلے بھی پکے مسلمان تھے اور اب بھی پکے مسلمان ہیں اور دین کی خاطر ہر قسم کی تکالیف کو برداشت کریں گے۔

ولنبلونكم بشئ من الخوف والجوع ونقص من الاموال والا نفس والثمرات و بشر الصابرين الذين اذا اصابتهم مصيبة قالوا انا لله وانا اليه راجعون

لیکن دکھ اور افسوس کی بات تو یہ ہے کہ بوسنہ کے مسلمانوں پر تو ظلم کے پہاڑ توڑے جائیں۔ ان کی تو نسل کشی کی جائے۔ انہیں مہاجر بننے پر مجبور کیا جائے۔ ان سے امن اور سکون چھین لیا جائے۔ اور ان کو بھوک افلاس اور امراض کے سپرد کر دیا جائے۔ لیکن پوری دنیا کا ضمیر سویا رہے۔ کہیں سے بھی صدائے احتجاج بلند نہ ہو۔ خاص کر مسلمان ممالک کی بے حسی اور خاموشی بڑی معنی خیز ہے۔ ایک اطلاع کے مطابق وہاں خوراک اور ادویات کی شدید قلت ہے۔ ہونا تو یہ چاہیئے کہ پوری دنیا کے مسلمان سراپا احتجاج بن جاتے۔ اور اپنے مسلمان بھائیوں کے قتل عام اور ان کے ساتھ روا رکھے گئے ظلم کے خلاف بلغراد سے اپنے

تعلقات ختم کر لیتے۔ ان کا اقتصادی بائیکاٹ کیا جاتا اور مقدور بھر کوشش کی جاتی کہ اپنے ان مسلمان بھائیوں کی مدد کریں۔

پاکستان اس میں مرکزی کردار ادا کر سکتا ہے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ وہ پوری اسلامی برادری کو اس مسئلہ کی طرف بھرپور توجہ دلائے گا اور بین الاقوامی سطح پر صدائے احتجاج بلند کرے گا۔ سعودی حکومت بھی اس طرف خوب توجہ دے رہی ہے۔ لیکن ہم توقع کرتے ہیں کہ وہ اس میں مزید وسعت پیدا کریں گے۔ اور جلد سے جلد اس کا حل تلاش کیا جائے۔ اور بوسنہ کے مسلمانوں کو آزمائش کی گھڑی میں اکیلا نہ چھوڑا جائے۔ اور انہیں ہمہ وقت ہر قسم کی مدد کا پختہ یقین دلایا جائے۔

گورنر پنجاب کی دینی مدارس کے بارے میں ہرزہ سرائی!

روزنامہ جنگ نے اپنی ۲۸۔ اگست ۹۲ء کی اشاعت میں گورنر پنجاب میاں اظہر کا ایک بیان صفحہ اول کی زینت بنایا ہے۔ جس میں انہوں نے دینی مدارس کو ہدف تنقید بنایا اور دینی مدارس کو جیل سے بھی بدتر قرار دیا ہے۔ انہوں نے اپنے بیان میں فرمایا کہ دینی مدارس میں بچوں کو ملا بنایا جاتا ہے ان کے ہاتھ میں لوٹا دے دیا جاتا ہے۔ اور شلواریں ٹخنوں سے اوپر اٹھا دی جاتی ہیں بہتر ہے بچوں کو دینی مدارس کی بجائے جیل بھیج دیا جائے۔ گورنر پنجاب کے اس بیان سے ان کی ذہنیت اور سوچ کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ مزید تبصرہ کی ضرورت نہیں۔ لیکن ایک بات واضح ہو گئی کہ وہ دینی مدارس اور علماء کرام کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں۔ بہت ہی بہتر ہوا کہ ان کا خبث باطن ظاہر ہوا اور جو لوگ ان کے بارے میں حسن ظن رکھتے تھے انہیں بھی معلوم ہو گیا کہ گورنر صاحب کس طبقے کے نمائندہ

ہیں۔ یہ کوئی پہلے شخص نہیں جو علماء کرام اور دینی مدارس کے طلبہ کو ہدف تنقید بنا رہے ہیں۔ یہ سلسلہ کچھ عرصہ سے کافی دراز ہوا ہے۔ لیکن دکھ اس بات کا ہے کہ ریاست میں گورنر کو مسلمہ حقیقت حاصل ہوتی ہے۔ وہ ہمیشہ اپنے وقار کے مطابق بات کرتا ہے اور تمام معاشرتی طبقوں کا لحاظ رکھتا ہے۔ مگر افسوس کہ معاشرے کے اس اہم طبقے پر لب کشائی سے قبل انہوں نے ذرا بھی نہ سوچا اور اپنے منصب کا ذرا بھی لحاظ نہ کیا۔ بازاری اور سوقیانہ گفتگو میں بازی لے گئے۔ گورنر کے اہم عہدے پر فائز ہو کر دینی مدارس کے بارے میں اتنی ناقص معلومات رکھنے والا ایک لمحہ کیلئے بھی اس منصب کا لائق نہیں۔ معلوم ہونا چاہیئے کہ ہر دو حالت میں گورنر بری گلذمہ نہیں ہوسکتے۔ اگر گورنر صاحب کی بات درست ہے کہ دینی مدارس جیل سے بدتر ہیں۔ وہاں کا ماحول اتنا خراب ہے تو گورنر صاحب ان مدارس کے ناظمین کا کیوں محاسبہ نہیں کرتے ان کا مواخذہ نہ کر کے ازخود گورنر شریک جرم ہو کر بدترین مجرم بن گئے ہیں اور اگر یہ معلومات درست نہیں تو پھر بھی گورنر صاحب کو اپنی ناقص معلومات کی وجہ سے سبکدوش ہو جانا چاہیئے۔

ہم پہلے بھی کئی مرتبہ عرض کر چکے ہیں کہ دینی تعلیم کا اہتمام حکومت وقت کا اولین فرض ہے۔ مگر سوء قسمت برسراقتدار طبقہ ایسے افراد پر مشتمل ہوتا ہے۔ جن کی سوچ ملحدانہ ہوتی ہے۔ وہ دین سے ناآشنا ہوتے ہیں۔ جن کا رہن سہن اور گفتگو فرنگیوں کی عکاسی کرتی ہے۔ ان کے نزدیک ترقی کا معیار آزاد انگریزی تعلیم اور یورپی تعلیم گاہیں ہیں۔ ان کے نزدیک ترقی کا معیار یورپی طرز زندگی ہے۔ ایسے افراد کیونکر دینی تعلیم کی اہمیت و افادیت کو سمجھ سکیں۔ اور بدقسمتی سے گورنر پنجاب کا تعلق بھی اس طبقے سے ہے۔ جو دین اور اس کی تعلیم کو

ترقی کی راہ میں رکاوٹ سمجھتے ہیں۔

اگر کھلی آنکھ سے دیکھا جائے اور کوئی صاحب بصیرت آدمی دینی مدارس اور گورنر کی زیر نگرانی چلنے والی یونیورسٹیوں کا تقابل کرے تو فرق واضح ہو جاتا ہے۔ یونیورسٹیاں جو قتل گاہ، ڈاکوؤں کی اماجگاہ اور رہزنوں کیلئے پناہ گاہ بنی ہوئی ہیں۔ یہاں پر ہر وہ دھندہ ہوتا ہے۔ جس کا عام معاشرے میں تصور بھی بد تر گناہ ہے۔ پھر گورنر صاحب اپنی کونسی خدمت پر اترا رہے ہیں۔ کیا دینی مدارس سے بھی یہی توقع پورے نہ ہونے کی وجہ سے اسے جیل قرار دے رہے ہیں۔

یاد رکھیئے گورنر صاحب دینی مدارس میں ادارے کے نظم و نسق کا احترام اساتذہ کرام کی عزت و توقیر ادب و آداب ہمیشہ ملحوظ خاطر ہوتا ہے۔ ان مدارس کا کوئی طالب علم ایسی جرات یا گستاخی نہیں کر سکتا۔ مگر آپ طلبہ کی پیشگی اجازت کے بغیر کسی یونیورسٹی یا کالج کا رخ کر کے تو دیکھیں۔ ایسا شاندار استقبال ہوگا۔ کہ آپ کے لئے ناقابل فراموش واقعہ قرار پائے گا۔

رہی بات کہ دینی مدارس میں جدید تعلیم کی تو جناب اب اکثر مدارس میں صبح کے وقت دینی علوم کی تدریس ہوتی ہے اور شام کو میٹرک F۔A اور B۔A تک بہترین انتظام موجود ہے۔ اور اکنامکس بھی پڑھائی جاتی ہے۔ لیکن گورنر صاحب یہ فرمائیں کہ ان کے تعلیمی اداروں میں کس قدر دین ہے ان اداروں کا فارغ التحصیل دین کی کونسی ضروریات پوری کر رہا ہے۔ بلکہ وہ تو دین کے روزمرہ مسائل سے بھی بے چارہ نا آشنا ہوتا ہے۔ طہارت، نماز، زکوٰۃ حج روزہ جیسے اہم مسائل سے نابلد یہ کارندے کس طبقے کی نمائندگی کرتے ہیں۔

پھر ملک میں رائج طبقاتی نظام تعلیم کا ذمہ دار کون ہے؟ گورنر صاحب اچھی

سن کالج کا پڑھا لکھا اور کارپوریشن کے کسی سکول کا فارغ طالب علم آپ کے ہاں برابر ہیں۔ اگر ایک ہی تعلیم کے دو معیار آپ کی نظر میں ہیں تو پھر دینی تعلیم کا فرق تو بہت واضح ہے۔

سب جانتے ہیں کہ مختلف شعبہ ہائے تعلیم کا وجود موجود ہے۔ کوئی ڈاکٹر ہے تو کوئی انجینئر الیکٹریکل، کوئی دانتوں کا ڈاکٹر ہے تو کوئی گردے کا کوئی سول انجینئر ہے تو کوئی میکانیکل۔ کیا ان میں فرق نہیں ہے تو اگر کوئی صرف دین کے علم کو حاصل کر لے اور دین کا عالم بن جائے تو اس میں کیا خرابی ہے۔ آیا پاکستان کا ہر ڈاکٹر عالم ہے۔ وہ دین کا عالم رکھتا ہے اگر نہیں تو کیوں؟ وہ مسلمان نہیں؟ بہر حال گورنر صاحب کو لب کشائی سے پہلے ہزار بار سوچنا چاہیئے اور بعد میں عذر گناہ بدتر از گناہ کے مصداق حیلے بہانے نہیں کرنے چاہیئے امید رکھنی چاہیئے کہ آئندہ گفتگو میں احتیاط برتی جائے گی۔ ورنہ اس موضوع پر بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے۔

بقیہ :۔ سیرت النبی

دنیا والو! آؤ جس طرح ہم اپنے آپ کو محب رسول ﷺ کہلواتے ہیں یہ عہد کریں جو محب رسول ﷺ کے تقاضے ہیں ان کو پورا کریں گے۔ انشاء اللہ